عنوان

A CRITICAL AND ANALYTICAL STUDY ON THE ARABIC CURRICULUM OF RELIGIOUS SCHOOLS

دینی مدارس کے عربی نصاب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

مقالہ نگار

بختیار بانو

ریسرچ سکالر فیڈرل اردو یونیورسٹی کراچی

A CRITICAL AND ANALYTICAL STUDY ON THE ARABIC CURRICULUM OF RELIGIOUS SCHOOLS

دینی مدارس کے عربی نصاب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

ABSTRACT:

The teaching system, which is known as the curriculum of the religious seminaries, is the best example of the mental flight of the scholars of this time. And it can be said that at least in this period, i.e., until the tenth or eleventh century AH, we do not know any country in the world where knowledge is so deep, and where so much diversity has been developed. At the same time, we consider it a great disservice and an unscholarly way of thinking to blindly say that Dars-e-Nizami is totally flawed. But instead, there are many such books that are valuable and included in its Arabic curriculum. Below, I have presented some outline writing on the same.

Keywords: Arabic curriculum, Religious Schools, Dars-e-Nizami.

درس نظامی جو دینی مدارس کی نصاب کے نام سے موسوم ہے، ااس درس نظامی یا دینی مدارس کا نصاب اس زمانے کے علماء کی ذہنی پرواز کا بہترین نمونہ ہے، اور یہ ہے کہ کہا جاسکتا ہے کہ کم سے کم اس عہد میں، یعنی دسویں یا گیارھویں صدی ہجری تک دنیا کے کسی ایسے ملک کا ہم کو علم نہیں جہاں علم کے اندر اتنی گہرائی آگئی ہو، اتنی وسعت و تنوع پیدا ہو گیا ہو، اور اس کے اندر گل کاریاں پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہو، ہم یہ بڑی حق تلفی اور ایک غیر علمی انداز فکر سمجھتے ہیں کہ درس نظامی کو آنکھ بند کرکے یہ کہہ دیں کہ یہ سراپا ناقص ہے۔، بلکہ اس کے عربی نصاب میں بہت سے ایسی کتب کو شامل کیا گیا جو قابل قدر ہے، ذیل میں اسی پر کچھ خاکہ تحریر پیش کیا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت تعلیم کا صرف ایک ہی نظام تھا، یہ تعلیم کی ثنویت (دوئی) نہیں تھی، ہندوستان میں دو متوازی نظام نہیں چل رہے تھے، تنہا یہی نظام تھا جو قاضی و مفتی بھی پیدا کرتا تھا، مفسر و محدث بھی پیدا کرتا تھا، اور سول آفیسرس (Civil

Officers) بھی پیدا کرتا تھا، یعنی کوئی آدمی جو وزارت عظمیٰ کے عہدہ تک پہنچے یا عدالت کے عہدہ پر پہنچے، یا انتظامیہ کے کسی بڑے سے بڑے عہدہ پر پہنچے، اس کا کچھ پڑھا لکھا ہونا ضروری تھا، اور پڑھے لکھے ہونے کا صرف یہی ایک راستہ تھا کہ وہ جہاں تک پڑھ سکے، جہاں تک اس کے حالات اجازت دیں یا اس کی ہمت ساتھ دے، وہاں تک درس نظامی میں پڑھے، آپ جس کے حالات پڑھیں گے، تعلیم یافتہ لوگوں میں جس کا شمار تھا، معلوم ہوگا کہ کسی نہ کسی درجہ تک متوسطات تک یا ابتدائی کتابوں تک اس نے یہ کتابیں ضرور پڑھی ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس علمی گروہ میں ایک خاص ذہن پیدا ہوا، پھر ان کے اندر جو گویا پورے تعلیم یافتہ اور فاضل نہیں تھے، ان کے اندر بھی کسی نہ کسی درجہ میں یہ ذہن منتقل ہوا، پھر ان کے بعد ان کے ماحول پر اثر انداز ہوا، اس کے بعد ماحول سے نکل کر پڑھی لکھی مسلمان آبادی پر اس کا اثر پڑا، اس کا اثر آپ دیکھنا چاہیں تو اُس زمانے کے علماء کے اختلاف کے میدانوں میں دیکھیں، اظہار خیال کے طریقوں میں دیکھیں، اُن کی تصنیفات میں دیکھیں، پھر یہ بات معاشرے میں آئی، اس لیے کہ نصاب تعلیم پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتا ہے، جو نصاب تعلیم ماحول و معاشرہ پر اثر انداز نہ ہو، وہ ناکام نصاب تعلیم ہے، اور اگر اثر انداز ہو تو خطرناک بات ہے، اس لیے ہمیں دونوں حقیقتوں کو سامنے رکھ کر دیکھنا چاہیے، یہ فرض کر لینا صحیح نہیں کہ نصاب تعلیم سے وہی افراد متاثر ہوتے ہیں جو مدرسہ سے تعلق رکھتے ہیں، فاضل و عالم اگر مدرسہ سے نکل کر اپنے ماحول پر اثر انداز نہیں ہوتے اور ان کا احترام نہیں ہوتا، تو وہ مدرسہ ناکام ہے، وہ نصاب تعلیم ناکام ہے۔(1)

درس نظامی میں اصول حدیث کی ضرورت واہمیت

ملّا نظام الدین نے اپنے مدرسے کے لیے ایک نصاب ترتیب دیا تھا، جو بنیادی طور پر گیارہ علوم پر مشتمل تھا، جس میں زیادہ زور اس بات پر دیا کہ عربی زبان پر اچھی دسترس حاصل ہو جائے، اس کے لیے صرف، نحو اور ادب کی متعدد کتب تجویز کیں، ان کے علاوہ تفسیر، حدیث، بلاغت، فلسفہ، علم کلام اور منطق جیسے فنون کا انتخاب کیا گیا تھا، کتب کے چناؤ میں مطوّلات کی بجائے مختصرات پر زور دیا گیا یا مطوّلات کا مخصوص حصّہ منتخب کر کے بطور درس پڑھایا جاتا تھا، اس نصاب میں فن حدیث کے حوالے سے کچھ زیادہ توجہ نہیں دی گئی تھی، احادیث کی مختصر کتابوں کے درس کے بعد آٹھویں صدی کے عالم خطیب تبریزیؒ کی مرتبہ کردہ مشکوۃ کے درس پر درس حدیث کا سلسلہ ختم

ہو جاتا تھا، لیکن جب شاہ ولی اللہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اس نصاب کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد دیار عرب کا سفر کیا، وہاں کے بڑے بڑے شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور ان سے سند حدیث حاصل کی، تو آپ نے واپس آکر اس نصاب میں کچھ ترامیم کیں، معقولات کو کم کر کے اس میں موطا اور صحاح ستہ کو شامل نصاب کر دیا۔ یوں درس نظامی کے مرتب ملا نظام الدینؒ ہی نہیں رہے، بلکہ شاہ صاحب کے مفید اور خاطر خواہ اضافات وترامیم کے بعد ان کا حصہ بھی اس میں شامل ہو گیا، حضرت شاہ صاحب کے بعد حالات وزمانے کی ضرورت کے پیش نظر درس نظامی میں معمولی اضافہ وترمیم کا سلسلہ اب تک چلا آرہا ہے۔(2)

شاہ صاحبؒ نے جب کتب احادیث کو شامل نصاب کیا تو ایک کام یہ بھی کیا کہ پہلے جس نصاب میں فقط فقہ حنفی کی تعلیم دی جاتی تھی، کوشش کر کے چاروں فقہ کے مسائل کو مباحث کا حصہ بنا دیا، تا کہ طالب علم کی معلومات وسیع تر ہو سکیں اور وہ چاروں فقہ کا گہرائی سے مطالعہ اور موازنہ کرنے کے ساتھ ساتھ موافقت کی صورت نکال سکے۔

اس وقت سے اب تک ہمارے مدارس میں یہ سلسلہ برابر چلا آرہا ہے، حدیث کی بنیادی مباحث کے درس کے ساتھ فقہائے کرام کے اختلافی آراء کو بھی کافی بسط وتفصیل سے موضوع سخن لایا جاتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام تر فقہی مسائل قرآن واحادیث کے بحر بے کراں سے غوطہ زنی کر کے مستنبط کیے گئے ہیں، لیکن قرآن وحدیث سے ان مسائل کے استخراج واستنباط کے لیے فقہا اربعہ میں سے ہر ایک فقیہ نے اپنی تحقیق اور مکمل جستجو کے بعد کچھ اصول وضع کیے، پھر انہی کی روشنی میں مسائل کی تخریج کی، اب جب تک ان اصولوں سے شناسائی نہ ہو اس وقت تک ایک عالم، فقیہ کی دقت نظر اور اس کے علم کی گہرائی وگیرائی سے یکسر بے خبر رہتا ہے اور دلیل کی تہہ اور حقیقت تک نہیں پہنچ پاتا، اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ ہمارے مدارس میں اصول حدیث کو وہ اہمیت نہیں دی جا رہی جس اہمیت کا یہ فن متقاضی ہے۔

1۔ پورے درس نظامی میں اس فن سے متعلق صرف دو کتب کا درس کا دیا جاتا ہے، جو اس فن میں مناسبت وممارست پیدا کرنے کے لیے ناکافی ہیں،

2۔ انہیں ملحقات کے طور پر پڑھایا جاتا ہے اور سرسری انداز میں گزار دیا جاتا ہے۔

3۔ تقسیم سبق اور انتخاب مدرس میں بھی ذوق کا کچھ خاص لحاظ نہیں رکھا جاتا، جس کی بنا پر اس فن میں بصیرت تو دور کی بات، کچھ خاطر خواہ مناسبت بھی پیدا نہیں ہو پاتی۔

4۔ جو اصول پڑھائے جاتے ہیں وہ حضرات محدثین کے وضع کردہ ہیں، تقریباً شوافع کے بھی یہی اصول ہیں اس لیے کہ مصطلحات حدیث کے مصنفین میں اکثر شافعی المسلک ہیں، جب کہ احناف کے اصول حدیث ان سے جدا ہیں، یہاں پر یہ وضاحت کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علوم حدیث کے موجد فقہاء ہیں اور پھر فقہاء میں سے اولیت کا اعزاز ائمہ احناف کے حصہ میں آیا ہے، فقہاء کا دور محدثین سے پہلے کا ہے، اس لیے فقہائے کرام نے حدیث کے رد و قبول کے معیار محدثین سے قبل ترتیب دیے اور ان معیاروں کے مطابق پھر حدیث کی اقسام، راویوں کی شرائط، وغیرہ تمام اصول مرتب و مدون کیے، اس ضمن میں ایک عام غلطی یہ ہوتی ہے کہ محدثین نے احادیث کو قبول یا رد کرنے کے جو اصول وضع کیے ہیں عموماً فقہاء کے احادیث کو پرکھنے کے بھی یہی اصول سمجھ لیے جاتے ہیں۔(3)

ڈاکٹر محمد باقر خاکوانی لکھتے ہیں: ”عوام الناس حدیث کے میدان میں محدثین کی کتب کو دیکھ کر اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے کہ اصول حدیث صرف محدثین کا سرمایا ہیں اور فقہاء بھی اصول حدیث کے میدان میں محدثین کے اصولوں کی پیروی کرتے ہیں، حالاں کہ یہ حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔“

اب یہ ایک حقیقت ہے کہ ان اصول سے آگاہی کے بغیر طالب علم کا اپنے مذہب پر حقانیت کے ساتھ شرح صدر کا ہونا، اس پر مسئلہ کی تہہ اور علت کا واضح ہونا اور فقیہ کے نقطہ نظر تک پہنچنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

نیز فقیہ ہونا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظر میں بھی زیادہ قابل قدر تھے۔ آپ کا ایک واقعہ یوں بیان ہوا ہے:

”حَدَّثَنِي أَشْيَاخٌ مِنَّا أَنَّ رَجُلاً غَابَ عَنِ امْرَأَتِهِ سَنَتَيْنِ، فَجَاءَ وَهِيَ حُبْلَى، فَأَتَى عُمَرَ، فَهَمَّ بِرَجْمِهَا. فَقَالَ لَهُ مُعَاذٌ: إِنْ يَكُ لَكَ عَلَيْهَا سَبِيلٌ، فَلَيْسَ لَكَ عَلَى مَا فِي بَطْنِهَا سَبِيلٌ. فَتَرَكَهَا، فَوَضَعَتْ غُلاَماً بَانَ أَنَّهُ يُشْبِهُ أَبَاهُ، قَدْ خَرَجَتْ ثَنِيَّتَاهُ. فَقَالَ الرَّجُلُ: هَذَا ابْنِي. فَقَالَ عُمَرُ: عَجِزَتِ النِّسَاءُ أَنْ يَلِدْنَ مِثْلَ مُعَاذٍ، لَوْلاَ مُعَاذٌ لَهَلَكَ عُمَرُ۔“(4)

ترجمہ:"حضرت ابوسفیان فرماتے ہیں ہمیں ہمارے کئی شیوخ نے بیان کیا کہ ایک آدمی دوسال تک اپنی بیوی سے غائب رہا۔ پھر وہ آیا تو عورت حاملہ تھی تو اس نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی اور حضرت عمرؓ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا خیال کیا تو آپؓ سے حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا۔ اگر آپ کا اس کو سنگسار کرنا درست ہے تو آپ ابھی اس پر حد جاری نہیں کرسکتے کیونکہ اس کے پیٹ میں بچہ ہے تو حضرت عمرؓ نے اس کو سزادینا چھوڑدیا۔ پھر جب عورت نے بچہ جنا تو وہ اپنے والد کی شکل میں مشابہ تھا۔ اس کے دواگلے دانت بھی نکلے ہوئے تھے تو اس شخص نے کہا یہ میرا بیٹا ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا عورتیں عاجز ہیں کہ وہ معاذؓ جیسا انسان جنیں۔ اگر معاذؓ نہ ہوتا تو تو عمرؓ ہلاک ہوگیا ہوتا۔"(5)

''قَالَ الرَّبِيْعُ: سَمِعْتُ الشَّافِعِيَّ قَالَ لِبَعْضِ أَصْحَابِ الحَدِيْثِ: أَنْتُم الصَّيَادِلَةُ، وَنَحْنُ الأَطِبَّاءُ۔"(6)

یعنی حضرت ربیعؒ فرماتے ہیں "میں نے امام شافعیؒ سے سنا انہوں نے ایک محدث سے فرمایا تھا کہ تم پنساری ہو اور ہم طبیب ہیں۔"(7)

فقہ حنفی پر ایک اشکال جو بڑے زور وشور سے اٹھایا جاتا ہے کہ اس فقہ کی تدوین میں حدیث پر عمل نہیں کیا گیا، اس اعتراض کی بنیاد بھی دراصل احناف کے اصول سے عدم واقفیت ہے، اس لیے کہ جس طرح دیگر فقہاء کے حدیث کو قبول یارد کرنے اصول ہیں اسی طرح احناف کے بھی حدیث کے قبول یا عدم قبول کے بارے میں کچھ قواعد واصول ہیں، ان ہی کی روشنی میں احادیث کو معمول بہ بنایا گیا ہے اور بعض کو چھوڑا گیا ہے۔(8)

حنفی مذہب کے آغاز سے لے کر تقریبا تمام زمانوں میں یہ اعتراض کیا جاتا رہا ہے کہ اس فقہ میں بہت سے فقہی مسائل میں صحیح احادیث کی مخالفت کی گئی ہے اور اسے اتباع سنت سے ہٹا ہوا مذہب گردانا جاتا ہے، جب کہ یہ اعتراض حقیقت کے سراسر خلاف ہے، وہ اس لیے کہ احناف کے حدیث کو قبول کرنے اور چھوڑنے کے کچھ اصول وضوابط ہیں، انہوں نے انہی احادیث کا چھوڑا ہے جو ان کے اصولوں کی روشنی میں درست نہیں تھیں۔

اگر ایک حدیث احناف کے اصول کی روشنی میں صحیح ہے اور محدثین کے اصول میں ضعیف ہے یا اس کے برعکس محدثین کے ہاں تو صحیح ہے، لیکن احناف کے معیار کے مطابق نہیں ہے، تو اس سے احناف کی حدیث سے مخالفت لازم نہیں آتی، بلکہ احناف کے حدیث کو لینے کے اصول دیگر حضرات سے کہیں زیادہ سخت ہیں، امام صاحب سے روایات کے کم ہونے کی بھی بظاہر یہی وجہ ہے۔

تو اس اہمیت کے پیش نظر شدت سے اس چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ دینی مدارس میں اس شعور کو بیدار کیا جائے کہ اس فن کی تعلیم میں احناف کے اصول حدیث کو بھی زیر بحث لایا جائے، تاکہ طلبہ کرام کو اس موضوع میں بصیرت حاصل ہو سکے، باقی محدثین کے اصول اس لیے ہیں کہ خصم کو اس کے اصولوں کی روشنی میں جواب دیا جا سکے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنے اصولوں کو یکسر چھوڑ دیا جائے۔(9)

اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر میں مدارس اور جامعات کے ارباب اہتمام کی خدمت میں یہ تجویز رکھتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو شامل سبق کریں، تاکہ طلبہ کو احناف کے اصول حدیث سے شناسائی ہو سکے۔ شیخ عبد المالک ڈھاکوی صاحب "حال عصرنا فی العنایۃ بعلوم الحدیث" کے عنوان کے تحت اسی کمی کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: "نعم وبقی الآن من علوم الحدیث الکلام علی فقہ الاحادیث کلاما طویلا... ولکن من غیر مراعاۃ لأصول الدرایۃ وقوانین الروایۃ ومن غیر المام باسباب اختلاف الفقہاء".

اس دور میں علوم حدیث کی بجائے فقہ پر طویل کلام کیا جاتا ہے، لیکن اس کلام میں بھی فقہاء کی روایت و درایت کے اصول و قواعد کے بیان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور مسئلہ میں جن وجوہ کی بنا پر فقہاء کا اختلاف ہوتا ہے، ان کے ذکر سے بھی بے توجہی برتی جاتی ہے۔

اگر ارباب مدارس انفرادی طور پر سنجیدگی کیساتھ اس معاملے پر غور فرمائیں تو چند تجاویز سے اس کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

1۔ اس موضوع پر کسی ایک کتاب کا انتخاب کر کے اس کو شامل سبق کر لیا جائے، انتخاب میں قدماء کی کتب کو ترجیح دی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

2۔ ہفتہ وار یا ماہانہ اوقات مخصوص کر کے ان میں ماہرین فن کے محاضرات اور دروس کا نظم بنایا جائے۔

3۔ شرح نخبۃ کے درس کے ساتھ ہی احناف کے اصول حدیث کے بیان کا اہتمام کیا جائے، اس صورت میں اس فن سے شغف رکھنے والے معلّم کا تقرر کیا جائے، تاکہ موازنہ اور محاکمہ کی صورت میں اصابت رائے قائم کر سکے۔(10)

نصاب میں ترامیم کی ضرورت

نصاب میں حسب ذیل ترامیم کی ضرورت ہیں۔

نصاب میں "عربی سیرت وتاریخ" کا اضافہ

ایک چیز جس کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے، وہ ہے: "عربی سیرت و تاریخِ اسلام کا باب"۔ مدارس میں اس سلسلے میں کوئی قابلِ ذکر نصاب ہی نہیں ہے، حالاں کہ اس کی اہمیت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور حضراتِ اسلاف نے اس کی جانب خاصی توجہ دی ہے اور خود حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان واقعاتِ اسلام کو جاننے اور اس کی تعلیم و نقل وروایت کا جو اہتمام تھا، اس سے بھی اس کی اہمیت کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے۔(11)

حضرت سعد بن ابی وقاص اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کے متعلق فرماتے ہیں:

''عن سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه أنه قال: كان أبي يعلمنا مغازي رسول الله صلى الله عليه وسلم وسراياه فيقول: يا بنيّ هذه شرف آبائكم فلا تنسوا ذكرها۔"(12)

ترجمہ: "میرے والد ہمیں مغازی اور سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے بیٹو! یہ تمھارے آباواجداد کا شرف ہے، تم لوگ ان کی یادداشت کو مت بھولو۔"

اور "مختصر تاریخ دمشق" میں اسی قول کو محمد بن سعد کے صاحب زادے اسماعیل بن محمد کی طرف ذرا سے الفاظ کے فرق کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔

''وعن إسماعيل بن محمد بن سعد قال: كان أبي يعلمنا مغازي النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ويعدها علينا، وسراياه۔ ويقول: يا بني، هذه مآثر آبائكم، فلا تضيعوا ذكرها."(13)

ترجمہ: ”میرے والد ہمیں مغازی اور سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اے بیٹو! یہ تمھارے آباواجداد کا شرف ہے، تم لوگ ان کی یادداشت کو ضائع نہ کرو۔“

”وكان الزهري يقول في علم المغازي: علم الآخرة والدني۔“(14)

ترجمہ: ”امام زہری فرماتے تھے کہ علم مغازی دنیا اور آخرت کا علم ہے۔“

حضرت زین العابدین علی بن الحسین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كُنَّا نُعَلَّمُ مَغَازِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا نُعَلَّمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔“(15)

ترجمہ: ”ہم مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پڑھاتے تھے، جس طرح ہم قرآن کی سورت پڑھاتے تھے۔“

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے درس کا جو نصاب تھا، اس میں من جملہ اور امور کے، ایک حصہ ”مغازی“ کا بھی تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ”عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ“ رحمہ اللہ نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

”وَلَقَدْ كَانَ يَجْلِسُ يَوْمًا مَا يَذْكُرُ فِيهِ إِلا الْفِقْهَ وَيَوْمًا التَّأْوِيلَ وَيَوْمًا الشِّعْرَ وَيَوْمًا أَيَّامَ الْعَرَبِ۔“(16)

ترجمہ: ”آپ ایک دن صرف فقہ کا، ایک دن صرف تفسیر کا، ایک دن صرف مغازی کا، ایک دن صرف شعر اور ایک دن صرف ایامِ عرب کا بیان کرتے تھے۔“

یہی نہیں! بل کہ سیر ومغازی کی تعلیم کے لیے اساتذہ کا تقرر بھی ہوتا تھا، حضرت قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عاصم بن عمر رحمہ اللہ کو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے جامع مسجد میں سیر ومغازی اور مناقب وفضائلِ صحابہ کی تعلیم کے لیے مقرر فرمایا تھا، جس کا ذکر ابن حجر رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

”كان راوية للعلم وله علم بالمغازي والسيرة أمره عمر بن عبد العزيز أن يجلس في مسجد دمشق فيحدث الناس بالمغازي ومناقب الصحابة ففعل۔“(17)

ترجمہ: ”آپ علم کے روایت کرنے والے تھے اور مغازی کا بھی آپ کو علم تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ دمشق کی مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقبِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم دیں۔“

الغرض سیر و مغازی کی تعلیم بھی ایک مہتم بالشان کام ہے، جس کی جانب توجہ اہلِ مدارس کو دینا چاہیے اور اسلاف کے طریقے کے مطابق اس کا خصوصی اہتمام بھی ہونا چاہیے۔

عربی کتابت و تحریر کی مشق

ہمارے نصاب میں ایک خاص ضرورت تعلیمِ کتابت بھی ہے، جس کی جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دی جاتی، حال آں کہ اسلاف نے بچپن ہی سے بچوں کو اس کی مشق کرانے کی ہدایت دی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ملک ِ"شام" کے اپنے امیروں کے نام یہ فرمان جاری فرمایا تھا:

''وَعَلِّمُوا صُبْيَانَكُمُ الْكِتَابَةَ وَالسِّبَاحَةَ۔"(18)

ترجمہ:"اپنے بچوں کو کتابت اور تیراکی سکھاؤ۔"

اور تو اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خاصا اہتمام فرمایا ہے، جس کا کچھ اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر میں جن کفار کو قیدی بنا کر لایا گیا تھا، ان میں سے بعض تو فدیہ دے کر رہا ہو گئے تھے اور جو فدیہ نہ دے سکے تھے اور لکھنے سے واقف تھے، ان کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طے فرمایا کہ یہ لوگ بہ طور فدیہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا سکھا دیں۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے :

''كَانَ فِدَاءُ أُسَارَى بَدْرٍ أَرْبَعَةَ آلافٍ إِلَى مَا دُونَ ذَلِكَ. فَمَنْ لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ شَيْءٌ أُمِرَ أَنْ يُعَلِّمَ غِلْمَانَ الأَنْصَارِ الْكِتَابَةَ۔"(19)

ترجمہ:"غزوۂ بدر کے قیدیوں کا فدیہ چار ہزار درہم اور اس سے کم تھا، پس جس قیدی کے پاس کچھ نہیں تھا، اس کو حکم دیا گیا کہ وہ انصار کے لڑکوں کو کتابت سکھادے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ دس مسلمانوں کو کتابت سکھادے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کا بڑا اہتمام تھا کہ بچوں کو کتابت سکھائی جائے۔ نیز اس کی ضرورت ویسے بھی مشاہد ہے اور اسی لیے محدثین نے بھی تحسینِ خط کی ترغیب میں اپنی کتابوں میں ابواب قائم کیے ہیں، جس سے ان حضرات کے نزدیک اس کی اہمیت کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔(20)

مدارس میں "انگریزی" زبان کا مسئلہ

دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے نصاب میں "انگریزی" اور صوبائی وعلاقائی زبان کو بھی ایک جزولازم کی طرح داخل کرنے کی ضرورت ہے، جس طرح ہمارے اسلاف نے وقت کی ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے اس زمانے میں "فارسی" زبان کو داخل نصاب کیا تھا ؛کیوں کہ آج "انگریزی" زبان صرف ہمارے ملک ہی میں نہیں؛ بل کہ خود ہمارے اپنوں کے گھروں میں بھی اس قدر رواج پاگئی ہے، کہ ان لوگوں کی افہام وتفہیم اور ان تک اسلام کے صحیح پیغام کی دعوت، اب اسی زبان میں منحصر ہوگئی ہے، اسی طرح غیروں کے سامنے اسلام کی صحیح وسچی تصویر اور اس کے مستند پیغام کی دعوت اس کے بغیر ممکن نظر نہیں آتی، کہ ان ہی کی زبان کو ذریعہ ووسیلہ بنایاجائے، اسی طرح اپنی علاقائی زبان کو ان ہی مقاصد کے لیے سیکھنا ایک ضرورت بن گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان ہی مقاصد کے پیشِ نظر "عبرانی" زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا، آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ مجھے یہود کی تحریر پر اطمنان نہیں؛اس لیے تم اس کو سیکھ لو، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے صرف دو ہفتوں میں ان کی زبان اور اس کی تحریر سیکھ لی تھی۔(21)

ابن سعد رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں اس روایت کو نقل کیا ہے :

"قال لي رسول الله. ص: إِنَّهُ يَأْتِينِي كُتُبٌ مِنْ أُنَاسٍ لا أُحِبُّ أن يَقْرَأَهَا أَحَدٌ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ الْعِبْرَانِيَّةِ أَوْ قَالَ السُّرْيَانِيَّةِ؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ! قَالَ: فَتَعَلَّمْتُهَا فِي سَبْعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً۔"(22)

ترجمہ:"حضرت زید کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس لوگوں کے خطوط آتے ہیں، میں پسند نہیں کرتا، کہ کوئی ان پر مطلع ہو، کیا تم سے یہ ہوسکے گا؟ کہ عبرانی زبان سیکھ لو، یا یہ فرمایا کہ سریانی زبان سیکھ لو۔ کہتے ہیں کہ میں نے "ہاں" کہا اور سترہ دنوں میں میں اس کو سیکھ لیا۔"

اگر آج ہم نے اس کی طرف توجہ نہ کی؛تو اس کے دو نقصانات واضح ہیں: ایک تو یہ کہ ہم امت تک دین کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہ جائیں گے، جو کہ ہماری ذمے داری ہے۔ دوسرے: یہ کہ انگریزی تعلیم یافتہ لوگ محض زبان دانی کی بنیاد پر دینی رہبر وقائد بن کر کھڑے

ہو جائیں گے اور اپنی جہالتوں سے امت کو گمراہ کرتے رہیں گے؛ مگر علما کا طبقہ زبان نہ جاننے کی وجہ سے اس کا کوئی تدارک نہ کرپائے گا۔ چناں چہ آج بعض علاقوں میں یہ صورتِ حال بھی پیدا ہوگئی ہے، کہ بعض گمراہ یا جاہل لوگ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے نام سے انگریزی زبان میں لوگوں کو متاثر کر رہے ہیں اور عوام الناس ان پر علما سے زیادہ اعتماد کرنے لگے ہیں؛ بل کہ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں یہ خیال کرنے لگے ہیں، کہ یہی لوگ حقیقی معنے میں علما ہیں، جب کہ ان لوگوں کو علم و دین سے کوئی دروکار نہیں۔ یہ دراصل زبان کی طاقت ہے۔(23)

جدید "علم الکلام" کی ضرورت

ایک اہم نصابی ضرورت "جدید علم الکلام" کی ہے، جس کے ذریعے طلبا میں موجودہ دور میں باطل فلسفوں کے خلاف نبرد آزمائی اور مقابلے کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو، جس طرح ہمارے اسلاف نے ان کے زمانے کے باطل فلسفوں اور اِزموں کا رد کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے "قدیم علم الکلام" کی داغ بیل ڈالی اور اس کو اپنے نصاب کا جزو بنایا تھا۔(24)

عربی وغیر عربی مضمون نگاری کی مشق

اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ طلبا کو جس طرح تقریر کی مشق کرائی جاتی ہے، اسی طرح "تحریر" کی مشق بھی کرانی چاہیے؛ تاکہ آج صحافت کی دنیا پر جو الحاد و دہریت اور جدیدیت کا قبضہ ہو چکا ہے اور اس کی وجہ سے عوام الناس ہر وقت علما مخالف و دین مخالف تحریرات و بیانات پڑھ کر ذہناً و فکراً ان سے مرعوب و متاثر ہو جاتے اور علما و مدارس سے؛ بل کہ دین و شریعت ہی سے بے زار ہو جاتے ہیں، اس صورت حال کا تدارک کیا جاسکے۔

آج عام طور پر علما کے اس میدان سے ہٹ جانے کی وجہ سے الحاد و دہریت زدہ لوگوں کا اس پر پوری طرح راج نظر آتا ہے۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی مناسب ہوگا کہ پروفیسر بشیر حسین جو عام طور پر "روزنامہ سالار" وغیرہ اخبارات میں علما مخالف و دین مخالف بیانات دینے کے عادی تھے، انھوں نے آج سے تقریباً تیرہ چودہ سال قبل اپنے چند مضامین میں "مسلم پرسنل لا" اور شریعت کے احکامات پر سخت اعتراضات کیے۔ اس وقت احقر نے "سالار اخبار" ہی کے ذریعے ان کا کئی قسطوں میں جواب لکھا اور "روزنامہ سالار" نے

بھی پوری اہمیت کے ساتھ اس کو شائع کیا، جب میرا یہ مضمون شائع ہوا، تو اس کے بعد وہی پروفیسر بشیر حسین نے ”سالار“ ہی میں یہ لکھا کہ ”میں سالہاسال سے اخبارات میں لکھ رہا ہوں؛ مگر یہ پہلا موقع ہے کہ کسی عالم نے میرا جواب لکھا ہو۔“

اس سے میں یہ بتانا چاہتا ہوں، کہ آج صحافت کی دنیا پر اسی قسم کے لوگوں کا تسلط ہے اور ان کا جواب بھی دینے والا کوئی نہیں ، اگر بر وقت ان کا تعاقب کیا جائے؛ تو یہ ضرور میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، چناں چہ الحمد للہ میرے اس جواب کے بعد ان پروفیسر صاحب کا منہ ایسا بند ہوا کہ آج تک کھل نہیں سکا۔(25)

نصاب تعلیم میں خوب سے خوب تر کی تلاش طلبہ کا واجبی حق ہے

ندوی صاحب فرماتے ہیں کہ:

”میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں کہ اگر کسی مدرسہ میں اتفاقاً کسی دن رات کی باسی دال طلبہ کو کھانے کو دے دی جائے، تو اس کا کیا اثر ہو گا؟ کیا طلبہ شکایت نہیں کریں گے؟ حالانکہ کسی مدرسہ نے یہ اعلان نہیں کیا کہ ہم تازہ سے تازہ اور عمدہ سے عمدہ کھانا دیں گے، اس کی تو صرف یہ ذمہ داری ہے کہ بہتر سے بہتر تعلیم مہیا کرے، لیکن اس کے بعد بھی لوگ اس پر سخت احتجاج کریں گے کہ رات کی باسی دال دے دی گئی ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اگر ہم واقعی اس بات پر مطمئن ہوں کہ مثلاً ادبیات اور عربی زبان کی تعلیم میں فلاں کتاب زیادہ مفید ہو سکتی ہے اور مقاصد کو اس زمانہ کے بدلے ہوئے حالات میں، جبکہ عرب دنیا سے ہندوستان کے ایسے رابطے پیدا ہو گئے ہیں کہ جو ہندوستان کی پوری ہزار سالہ تاریخ میں کبھی نہیں تھے، پھر دعوت کا ایک میدان نکل آیا، وہاں کے اسلامی قائدین اور یہاں کے بہت سے مخلصین اور علمائے ربانیین کی کوششوں سے، تو اب عربی زبان سکھانے کے لیے یہ طریقہ زیادہ مفید ہو گا اور یہ نصاب زیادہ مفید ہو گا، تو اب بتائیے کہ اس کو کوئی مدرسہ اس لیے نہیں اختیار کرتا ہے کہ ہمارے اسلاف نے فلاں کتاب پڑھی تھی، تو بتائیے کہ کیا یہ دیانت کے مطابق ہو گا؟ یہ طلبہ کے ساتھ انصاف ہو گا؟ یہ زمانہ کے انصاف ہو گا؟ یہ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس باسی دال سے کہیں زیادہ ایک طرح کی کوتاہی ہے اور حق تلفی ہے، کہ اگر لڑکے باسی دال کھائیں گے، تو ان کے جو اصل مقاصد ہیں، جو مقصد ان کو مدرسہ کی طرف کھینچ کر لایا ہے، اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، لیکن مسلسل ان کو بہترین طریقۂ تعلیم سے محروم رکھنا اور اس پر اصرار کرنا یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟“(26)

نصاب تعلیم کو ملت کے اساسی مقاصد کا تابع اور خادم ہونا چاہیے

اگر آپ نصاب پر بالکل غیر جانبدارانہ طریقہ سے اس کے مختلف موضوعات پر غور فرمائیں، اور آپ کے سامنے صرف اپنے ان عزیز نوجوانوں کا مستقبل ہو اور اس عہد کے تقاضے ہوں، اور وہ اساس و مقاصد ہوں جن کا تابع اور خادم نصاب تعلیم ہے، اگر یہ نصاب تعلیم اس ملت کے اساسی مقاصد کے تابع اور خادم نہیں ہے تو اسلامی نصاب تعلیم نہیں ہے، اس میں کسی قسم کا کوئی تقدس نہیں ہے، (تقدس تو یوں بھی نہیں) وہ قابل احترام بھی نہیں، بس یہ دو چیزیں نوجوانوں کا مستقبل اور عہد کے تقاضے، اس سے بڑھ کر ملت کے اساسی اور کلی اور اصولی مقاصد، جن کا نصاب تعلیم کو ایک ادنی خادم ہونا چاہیے، اور نصاب تعلیم کی اہمیت اور قیمت ساری یہ ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل میں وہ علمی انداز میں علمی میدانوں میں مدد کرتا ہے، بس یہ حقیقت میں نصاب تعلیم کی معنویت اور قیمت ہے، نصاب تعلیم ملت اور عہد سے الگ کوئی چیز نہیں ہے، آثار قدیمہ کی کوئی چیز نہیں ہے کہ آپ میوزیم میں اسے رکھیں اور دکھائیں کہ کسی زمانہ میں ایسا ہوتا تھا، نصاب تعلیم کو ملت کے ساتھ، زمانہ کے ساتھ اور تقاضوں کے ساتھ مربوط رہنا چاہیے، اور یہ ہمارے لیے قرآنی نظریہ سے بھی، دعوتی نظریہ سے بھی اور علمی نظریہ سے بھی ضروری ہے۔(27)

اپنے منصب کا شعور

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ طالبِ علم کو اس کی ذمے داری اور فرائضِ منصب سے آگاہ کیا جائے؛ تاکہ اپنے منصب کی ذمے داری کا شعور پیدا ہو اور وہ اپنی ذمے داری پوری کرنے کے لیے ابھی سے تیار ہوسکے۔

یہ بات واضح ہے کہ طلبِ علم کی راہ سے طالبِ علم اہلِ علم میں شامل و داخل ہوتا ہے، لہٰذا اس کی ذمے داری در اصل اہلِ علم کی ذمے داری ہے اور علما وارثینِ انبیاہیں؛ لہٰذا ان کے ذمے وہی سب کچھ ہے، جو انبیا علَیہِم الصّلاۃُ والسَّلامُ کے ذمے تھا۔

لہٰذا سب سے اول خود کو علم کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کے بعد ایک طالبِ علم کی ذمے داریوں کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ دینِ اسلام و شریعت کی پوری طرح حفاظت کرے، اس میں کوئی ترمیم و تحریف کو کسی طرح برداشت نہ کرے۔

2۔ دین کی اشاعت و تبلیغ کرے اور دین و شریعت کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے اور اس کی دعوت کو عام کرنے کی راہیں بنائے۔

3۔ امت کے اندر دینی شعور و اصلاحی جذبہ بیدار کرے؛ تاکہ وہ کج روی کے بجائے صراطِ مستقیم پر گامزن رہے۔

4۔ امت کو راہِ راست پر رکھنے کی بھرپور جدوجہد کرے؛ تاکہ عقائد و اعمال، اخلاق و کردار، معاشرت و معاملات سب میں وہ شریعت کے دائرے میں رہے؛ لہٰذا قرآن و سنت کی تعلیم، ان کے نفوس کے تزکیے اور قلوب کے تصفیے کی فکر میں لگا رہے۔

ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمہ وقت وہ ہدایت کے کاموں میں لگا رہے اور اس کے ہر قول و عمل سے پیغام ہدایت جاری ہو۔(28)

حوالہ جات

(1)ندویؒ، سید ابوالحسن علی، مرتب، عبدالہادی اعظمی، نظام تعلیم – مغربی رجحانات اور اس میں تبدیلی کی ضرورت، کراچی، دارالاشاعت، 2014ء، ص87

www.farooqia.com/ur/lib/1438/03/p55.php(2)

www.farooqia.com/ur/lib/1438/03/p55.php(3)

(4) الذهبي، محمد بن أحمد، سیر اعلام النبلاء، بیروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة: الثالثة، 1405ھ، جلد1، ص452

(5)مفتی، محمد امداد اللہ، حکایات علم و علماء، ملتان، دارالمعارف، اشاعت اول، 2008ء، ص59

(6) الذهبي، محمد بن أحمد، سیر اعلام النبلاء، بیروت، مؤسسة الرسالة، الطبعة: الثالثة، 1405ھ، جلد10، ص23

(7)مفتی، محمد امداد اللہ، حکایات علم و علماء، ملتان، دارالمعارف، اشاعت اول، 2008ء، ص63

www.farooqia.com/ur/lib/1438/03/p55.php(8)

(9) ایضا

(10) ایضا

https://www.madarisweb.com/ur/articles/4834(11)

(12)أبو الفرج، علي بن إبراهيم بن أحمد الحلبي، السيرة الحلبية = إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون، المقدمة، بيروت، دار الكتب العلمية, الطبعة: الثانية – 1427ھ، ص5

(13)ابن منظور، محمد بن مکرم، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، دمشق، دار الفکر للطباعۃ والتوزیع والنشر، الطبعۃ: الأولی، 1402ھ۔ جلد2، ص186

(14)مختصر تاریخ دمشق، جلد2، ص 186

(15)ابن کثیر، إسماعيل بن عمر، البدایۃ والنھایۃ، بیروت، دار إحياء التراث العربي، الطبعة: الأولى **1408**ھ، جلد3، ص297

(16)ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الأولی، 1410ھ۔ جلد2، ص281

(17)العسقلاني، أحمد بن علي ،تهذيب التهذيب، الهند، مطبعة دائرة المعارف النظامية، الطبعة الأولى، 1326ھ، جلد5، ص54

(18)الصنعاني، عبد الرزاق بن همام، المصنف، بيروت، المكتب الإسلامي، الطبعة: الثانية،

حدیث16198، جلد9، ص18

(19)ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الأولی، 1410ھ، جلد2، ص16

(20)https://www.madarisweb.com/ur/articles/4834

(21)ایضا

(22)طبقات ابن سعد، جلد2، ص273

(23)https://www.madarisweb.com/ur/articles/4834

(24)ایضا

(25)https://www.madarisweb.com/ur/articles/4846

(26)ندویؒ، سید ابوالحسن علی، مرتب، عبد الہادی اعظمی، نظام تعلیم- مغربی رجحانات اور اس میں تبدیلی کی ضرورت، کراچی، دار الاشاعت، 2014ء، ص91

(27)پندرہ روزہ "تعمیر حیات"، لکھنؤ (شمارہ ۲۵/مارچ، ۱۰و۲۵/اپریل ۱۹۸۴ء)۔

(28)https://www.madarisweb.com/ur/articles/4849

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.